مختارِ کل یا... داعیاً اِلی اللہ باذنہ؟

تحریر: محمود مرزا جہلمی چیف ایڈیٹر ہفت روزہ صدائے مسلم جہلم

رسول اللہ ﷺ ایک ہمہ گیر آسمانی انقلاب برپا کرنے کے لئے دنیا میں مبعوث ہوئے تھے۔ اس انقلاب کی تمام جہات کا تعین قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے اور اس کے تمام تقاضے حدیث شریف میں مفصل طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہ انقلاب عقائد میں بھی تھا مگر صرف یہیں تک محدود نہ تھا۔ یہ انقلاب عبادات میں بھی تھا مگر اس کی لہریں اسی ساحل پر ختم نہیں ہو جاتی تھیں۔ یہ روحانی، اخلاقی اور علمی انقلاب ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی، مادی، معاشی اور انسانی انقلاب بھی تھا جس نے انسانی زندگی کی ہیئت کو بدل ڈالا اور ایک ایسی دنیا کی تصویر پیش کر دی جو پہلی ہر تصویر سے بنیادی طور پر مختلف تھی۔ یہ وہ تصویر تھی جسے اللہ باری تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے مکمل کرایا اور انسان کو بتایا کہ اس تصویرِ حیات کو ہماری پسند کی سند حاصل ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (الاحزاب: ۲۱) ترجمہ: (بے شک تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بہترین نمونہ موجود ہے) اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: ﴿وداعیاً الی الله باذنه...﴾ (الاحزاب: ۴۶) "(آپ) اللہ کے اذن سے اللہ کی طرف بلاتے ہیں"۔ گویا یہ بتا دیا گیا کہ آپ کی اسلام کی طرف دعوت اپنی طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ اس کے بھولے بھٹکے بندوں کو پھر سے اس کے دربار عالی میں لا کھڑا کریں۔ یہاں یہ نکتہ اہلِ ذوق کی توجہ کا طالب ہے کہ جس بندے کو رسول اللہ دربارِ الٰہیہ میں لا کھڑا کریں گے اللہ تعالیٰ اس کے آنے کو قبول فرمائیں گے۔ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوا ہے۔ اسکی مزید تفصیل کے لئے یہاں تک فرما دیا: ﴿وما آتاكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا...﴾ (الحشر: ۷) ترجمہ: "جو کچھ رسول اللہ ﷺ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ"۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو حرام و حلال کے درمیان خطِ امتیاز کھینچ دینے کا اختیار بھی دیا ہے اور یہ وضاحت بھی فرما دی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی پیغمبرانہ حیثیت میں جو کچھ بھی فرماتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ آسمانی حکم کے تحت فرماتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ﴿وما ينطق عن الهوىٰ ان هو إلا وحي يوحى﴾ (النجم: ۳-۴) یعنی: "آپ ﷺ اپنی خواہش یا پسند کے تحت نہیں بولتے بلکہ وحی کے موجب ہی بات کرتے ہیں" یعنی زبان مبارک تو آنحضرت ﷺ کی ہے مگر کلام اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اختیار دیکھیں مگر دراصل پابندی دیکھیں۔ اختیار یہ کہ جسے دربارِ الٰہیہ میں لے آئیں وہ اللہ کے گھر کا مہمان ہو گیا اور اس سارے اکرام کا مستحق ہو گیا جو مہمان کا روایتی

طور پر ہوتا ہے۔ حلال و حرام کے فیصلے کرتے وقت زبان وحی ترجمان حرکت میں نہیں آتی جب تک فیصلہ وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو بتا نہیں دیا جاتا اور کبھی شہد کو اپنی ذات مبارک پر ممنوع کر لیا تو وحی کے ذریعے فوراً آگاہ کر دیا گیا ﴿یا ایہا النبي لم تحرم ما أحل الله لك ......﴾ کہ ہماری حلال کردہ شے کو آپ ﷺ حرام نہیں ٹھہرا سکتے۔

اب ہم نہایت آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آپؐ مختار تھے یا نہ تھے۔ آپ کے اختیارات کا سرچشمہ وحی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ، آپ سے آپ ہی دعوت الی اللہ پر کمربستہ نہیں ہو گئے۔ پہلے حکم ہوا ﴿قم، فأنذر﴾ "اٹھئے اور ڈرایئے"۔ آپؐ اپنے اختیار سے کارِ دعوت وانذار میں نہیں لگ گئے تھے۔ کارِ دعوت وانذار بھی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق تھا۔ چنانچہ آپؐ کارِ دعوت میں مشغول تھے۔ مشہور واقعہ ہے... کہ اس دوران ایک نابینا صحابیؓ کوئی مسئلہ پوچھ بیٹھے۔ حضور ﷺ کو انکی یہ مداخلت بے موقع محسوس ہوئی اور انہیں جھڑک دیا تو آسمان سے وحی آگئی: ﴿عبس و تولی ٥ أن جاء ه الأعمی﴾ کہ نابینا صحابیؓ طالبِ ہدایت تھا اور اس سلوک کا مستحق نہ تھا

اختیار یہ تھا کہ آپؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زیدؓ کے لیے زینبؓ کا رشتہ طلب کیا تو پھوپھی نے انکار کر دیا۔ آسمانی وحی نے خبر دار کر دیا: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم﴾ (الاحزاب: ٣٦) کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ کو ٹھکرانے والے مومن نہیں ہو سکتے۔ گویا آپ ﷺ کا رشتہ طلب کرنا، اللہ کے اذن سے تھا اسی لئے اس فیصلہ کو اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ کہا گیا۔ پھر جب نباہ نہ ہوا اور حضرت زیدؓ آمادۂ طلاق ہوئے تو حضور ﷺ چاہتے تھے کہ طلاق نہ ہو مگر وہ ہو کر رہی تو وحی آئی کہ "فیصلے جن پر عمل درآمد ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں"۔ دیکھیں رشتہ طلب کرنا اور پھر زیدؓ کا طلاق دینا دونوں ہی اللہ کے حکم سے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی شدید تمنا تھی کہ لوگ آپؐ کی دعوت کو قبول کریں اور جہنم سے بچ جائیں یہ خواہش اتنی شدید تھی کہ قرآنی الفاظ میں ﴿لعلك باخع نفسك ألا يكونوا مؤمنين﴾ (الشعراء: ٣) اسے جان گھلانے کے برابر کہا گیا۔ مگر فرمایا گیا کہ آپ کو دعوت الی اللہ کا اذن ہے...... رہی ہدایت ...... تو وہ ہم دیں یا نہ دیں، اس میں آپ ﷺ کا دخل نہیں ہے۔ یہ ہمارا اختیار ہے اور ہم اپنے اختیارات بلاشرکت غیر سے ہی استعمال کرنا پسند کرتے ہیں

بعض اہل علم رسول اللہ ﷺ کو "مختار کل" ثابت کرنے کے لئے ایسے ایسے دلائل دیتے ہیں کہ انہیں سرے سے دلائل کہنا ہی نہیں چاہیے۔ مثلاً آپ ﷺ کے سفرِ طائف میں جب اہل طائف نے آپؐ کو سخت ستایا تو آسمانوں سے فرشتہ آیا اور حضورؐ سے عرض کی کہ اگر آپؐ فرمائیں تو اہلِ طائف کو دو پہاڑوں کے درمیان رکھ کر پیس ڈالوں؟ یہاں سے وہ یہ اخذ کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مختار تھے بلکہ اللہ تعالیٰ بھی فیصلے کرنے سے پہلے

حضور ﷺ کی رضا حاصل کرتا تھا۔ یہ اہلِ علم جوشِ خطابت میں نہیں سوچتے کہ دراصل وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اس سے حضورؐ کا مختار ہونا تو کیا ثابت ہوگا..... البتہ اللہ جل شانہ کے حق میں حد درجہ بے ادبی ہوتی ہے اور یہ سوچ شرک فی الاختیارات کی بدترین صورت ہے۔ اس قبیل کے اہلِ علم حضورؐ اقدس کو عالم الغیب ثابت کرنے کے لئے یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ اقدس کی طبع مبارک ناساز تھی۔ جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ آپؐ کا کیا حال ہے؟ وہ اس واقعہ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ بعض امور کے بارے میں اور خاص طور پر اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق حضورؐ کا اللہ تعالیٰ سے پوچھنا آپؐ کے عالم الغیب نہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ حضورؐ کا حال پوچھ رہا ہے..... تو کیا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بھی عالم الغیب نہیں ہے؟ یہ الزامی دلیل ایسی نہیں کہ اس کا جواب دیا جائے مگر ایک طفلِ مکتب بھی جانتا ہے کہ مریض کی مزاج پرسی عام دنیاوی قاعدے کے مطابق بھی کی جاتی ہے۔ بیشک ہمیں نظر آرہا ہوتا ہے کہ مریض پر نزع طاری ہے۔ مگر ہر آنے والا عیادت کا یہ تقاضا پورا کرتا ہے کہ قطع نظر اس سے کہ مریض کا ظاہری حال کیسا ہی مایوس کن ہو۔ حضور اقدسؐ کا حال تو اللہ تعالیٰ کو خوب خوب معلوم تھا یہ تو صرف محبوبؐ سے ازراہ تشریف حالتِ بیماری میں اپنا تعلق جتاتا تھا۔

"اللہ تعالیٰ کی حکومت میں کوئی شریک نہیں ہے" یہ قرآنی حکم ہے

ایک نص قطعی کے مقابلے میں اس قسم کے الزامی اور استخراجی دلائل لانا اور قرآن مجید کے صریح بیان کو جھٹلانے کی سعی کرنا، بہت بڑی جسارت ہے۔ اللہ جانے لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو ڈرتے نہیں اور اس قسم کے بے سروپا مبحث میں پڑکر اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ اوپر کے حکم میں صریحاً بتادیا گیا ہے کہ تدبیر کائنات میں اللہ تعالیٰ نے کسی سے ساجھا نہیں فرمایا ہے۔ وہی اکیلا مدبر کائنات ہے۔ وہی بارش برساتا ہے وہی آسمان سے اپنے قاعدے کے مطابق رزق نازل فرماتا ہے۔ وہی ہواؤں اور بادلوں کو لاتا ہے۔ وہی بیماری، وبا، قحط اور مصیبت لاتا ہے اور وہی ان کا کاشف (دور کرنے والا) بھی ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ جب چاہے اپنے انبیاء کے ہاتھ پر اپنی قدرت کا کوئی مظاہرہ ایسے طریق پر کرادیتا ہے کہ عقلِ انسانی دنگ رہ جاتی ہے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ انبیائے کرام خود ہی مدبر کائنات ہوگئے ہیں۔ حضور اقدسؐ کی معراج کے متعلق فرمادیا کہ یہ خارقِ عادت عظیم الشان واقعہ ہمارے اہتمام سے رونما ہوا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجدالاقصیٰ ....﴾ (بنی اسرائیل: ۱) ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک..... "اسریٰ" کی تدبیر اللہ نے فرمائی تھی نہ کہ حضور اقدسؐ نے۔ حضور اقدسؐ کے ہاتھ سے مٹی کفار مکہ کی آنکھوں میں ڈلوائی اور فرمادیا کہ یہ مٹی ڈالنا، حضورؐ کا کام نہیں تھا بلکہ خود اس کا تھا۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لینے کی جو تدبیر فرمائی اس کے بارے میں وضاحت کردی۔ ﴿کذلک کدنا لیوسف﴾ (یوسف:٧٦) "یوں ہم نے یوسف کو تدبیر سکھائی"۔ خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت میں کشتی میں چھید ڈالا، دیوار کو استوار کیا اور لڑکے کو قتل کیا۔ تو یہ صراحت کرنا بھی ضروری خیال کیا کہ انھوں نے ان میں سے کوئی کام بھی از خود نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا ہے۔ معجزات کی ساری اہمیت ہی اسی وجہ سے ہے کہ وہ انبیاء کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی مطلق طاقت کا اظہار کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ زندہ کیا، مٹی کے پرندوں میں جان ڈالی تو ساتھ "باذن اللہ" بھی کہہ دیا تاکہ کل کلاں کوئی کم عقل اسے ان کا ذاتی فعل نہ سمجھ لے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی ان گنت دعائیں بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئیں۔ مگر کئی دوسری دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔ مثلاً عبداللہ بن ابی کیلئے دعائے مغفرت وغیرہ۔ اس بات کے تسلیم کرنے سے کسی کو مجال انکار نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے لئے اور مسلمانوں کے لئے دعا مانگا کرتے تھے۔ یہیں سے دیکھ لیں کہ آپؐ کو تدبیر کائنات کے اختیارات حاصل نہ تھے۔ اگر ہوتے تو دعا کرنا ضروری نہ تھا۔ بلکہ اپنی خواہش کو دنیا میں از خود نافذ فرما دیتے۔ بارش کی کم از کم کوئی درجن بھر دعائیں کتب احادیث میں مروی ہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ تدبیر کائنات میں مختار تھے تو یہ دعائیں اور التجائیں کیا تھیں؟ تدبیر کائنات میں بارش کو اولین مقام حاصل ہے اور اسی طرح زیر زمین پانی کو چنانچہ اللہ باری تعالیٰ قرآن مجید میں پوچھتے ہیں: ﴿قل أرءیتم إن أصبح ماؤکم غور اً فمن یأتیکم بماء معین﴾ (الملک:٣٠) "اگر زیر زمین پانی گہرائیوں میں اتر جائے تو اسے کون اوپر لا سکتا ہے؟" اسی طرح رزق کو تدبیر کائنات میں بنیادی حیثیت ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے کئی دعائیں رزق حلال و رزق کثیر کے واسطے تعلیم فرمائیں ہیں جس سے صاف ظاہر ہے آپ ﷺ رزق کی طلب اللہ سے فرماتے تھے اور خود رزق کے خالق نہ تھے۔ اور اگر اس باب میں مختار ہوتے تو آپؐ کے صحابہ کرامؓ پیٹ پر پتھر نہ باندھتے اور آپؐ کے لشکر جیش عسرت نہ کہلاتے۔ آپ ﷺ مومنین پر رؤف اور رحیم تھے۔ کیا آپؐ نہ چاہتے ہوں گے کہ اصحاب صفہ پیٹ بھر کر کھانا کھائیں مگر آپؐ تخلیق و تقسیم رزق کے باب میں اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور تدبیروں کے پابند تھے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے بارہا بندوں کو نہال کر دیا۔

بعض اہل علم کا فرمان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں" ہم اس کو اسی ظاہری مفہوم میں لیتے ہیں جس میں یہ اہل علم پیش کرنا چاہتے ہیں مگر اس سے بھی ہمارے ہی موقف کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مختار نہیں ہیں۔ اگر مختار ہوتے تو معطی بھی خود ہی ہوتے۔ مگر آپؐ نے فرمادیا عطا کرنے والا اللہ ہے۔ وہ اگر عطا ہی نہ کرے تو حضورؐ تقسیم کیا فرمائیں گے۔ دوسری بات یہ کہ تقسیم کا عمل

بھی یقیناً معطی کے فیصلے کے تحت ہی ہو گا۔ ویسے ہمارے نزدیک یہ فرمان سرے سے اس موقع و محل کیلئے نہیں ہے۔

قرآن مجید میں یہ مضمون کئی مقامات پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کے ایمان کی صداقت جانچ سکیں۔ اس موقع پر "ولیعلم" کا کلمہ برتا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا ازلی اور ابدی علم ہے تو پھر "ولیعلم" کے کیا معنی ؟ مقامِ فکر ہے۔ ہمارے محترم اہلِ علم سوچیں کہ اللہ تعالیٰ کا جبریلِ امین کے ذریعے حضور کی مزاج پرسی کرنا، العیاذ باللہ اس کے کسی علم کے نقص پر دال نہیں ہے۔

شعبِ ابی طالب میں تین سال کے دوران جو سختی حضور اقدسؐ اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ پر گزری، کیا وہ حضورؐ کی اپنی ہی تدبیرِ کائنات کا اثر تھا یا تدبیرِ الٰہیہ کا ؟ کیا اس رسول رحمتؐ اور رؤف ورحیمؐ نے خود اپنے ہی انتظام سے اپنے اور اپنے صحابہؓ کیلئے سنگلاخ وادی میں یہ دورِ ابتلا تیار کیا تھا ؟

کیا آپؐ کوئی ایسا انتظام بھی کر سکتے تھے کہ جسکے تحت خود ہی درختوں کی جڑیں کھاتے اور شعب ابی طالب کی چٹانوں کو صحابہ کرامؓ کی آہ و بکا سے رلا دیتے ؟ کیا یہ اہلِ علم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میدان احد میں ستر صحاب کی شہادت اور خود سرور کونینؐ کا زخمی ہونا ان کی اپنی ہی تدبیرِ کائنات کا نتیجہ تھا؟ کیا سید الشہداء امیر حمزہؓ کا وحشی کے ہاتھوں شہید ہونا، کسی ایسی سکیم کا حصہ تھا جو مدبر کائنات ہوتے ہوئے خود حضور ﷺ نے تیار کی تھی ؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکمِ الٰہی ہوا تھا کہ پتھر پر عصا وہ مارے اور پانی ہم نکالیں گے۔ ﴿فقلنا اضرب بعصاك الحجر﴾ (البقرۃ : ۶۰) عصا مارنے کا حکم اللہ کا تھا۔ یہ اللہ کی تدبیر تھی نہ کہ موسیٰؑ کی! حضرت ابراہیمؑ تو اپنے حساب سے اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلا چکے تھے مگر مدبرِ کائنات اللہ جل شانہ کی تدبیر سے یہ چھری دنبے کی گردن پر چلی تھی۔ حضرت یوسفؑ کو مصر میں اقتدار ملا تو ارشاد ہوا : ﴿وکذلک مکنا لیوسف فی الارض......﴾ (یوسف : ۵۶) "یوسفؑ کو یوں ہم نے زمین میں تمکنت بخشی۔ یہ اقتدار یوسفؑ کی تدبیر سے نہ تھا بلکہ اس حقیقی مدبرِ کائنات کی تدبیر سے تھا جو جہانوں کا بادشاہ ہے اور جس کی مملکت اور حکومت میں کسی کا ساجھا نہیں ہے

کیا یہ اہلِ علم غور فرمائیں گے کہ اگر حضورؐ اقدس مختارِ کل تھے تو مقام حدیبیہ پر رک کیوں گئے تھے ؟ اپنے اختیار کو بروئے کار لاکر مکہ میں کیوں نہ داخل ہو گئے تھے ؟ کیا ہمارے یہ احباب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مختار ہوتے ہوئے بھی مکہ میں داخل نہ ہوئے تھے اور ان شرائط پر صلح نامہ پر دستخط ثبت کر دیئے جو صحابہ کرامؓ کی اکثریت کے نزدیک نہایت کمزور تھیں ؟

ہمارے یہ اہل علم اپنے زعم میں دراصل حضورؐ اقدس کو "مختارِ کل" یا "مدبر کائنات" کہہ کر حضورؐ سے اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہیں مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ کسی بھی محبت کا یہ تقاضا نہیں ہو سکتا کہ حضورؐ اقدس کو

...... بقیہ صفحہ نمبر : ۴۳ پر